# عربی ادبیات.....''دورِ جاہلیت'' کی شاعری پر ایک نظر

ڈاکٹر روبینہ ترین، نازیہ راحت، ڈاکٹر انوار احمد


## Abstract

Muslim Religious Scholars have given the name to pre commencement of prophethood period in Arabian literature as a period of heathenism or paganism but at the same time we learn that seven great eulogies were hanging in the sacred house in Mecca which is attributed to House of God.However great Arab Scholar Taha Hussain(1889-1973) rejected the authencity of these larger poems and called a fiction.However several books and articles have claimed and appreciated these as great pieces of poetry.

In Urdu literary world credit goes to Muhammad Kazim((1926-2014) who contributed a serial of articles in a prgressive literary Journal "Fanoon"[editor: Ahmad Nadeem Qasimi]highlighting the salient features of poets and poetry with examples.PhD scholar Nazia Rahat has completed her doctoral thesis under the guidance of Dr.Anwaar Ahmad and Dr.Rubina Tareen based upon the comparative study of Muhmmad Kazim and Professor Khursheed Rizvi(1942)regarding introduction of Arabic Literature to the world of Urdu.


محمد کاظم (1926-2014) پیشے کے اعتبار سے انجینئر تھے۔ احمد ندیم قاسمی کے جریدے 'فنون' نے ان کی عربی زبان پر گرفت، ذوق ادب، تنقیدی شعور اور لبرل نقطہ نظر سے یوں آشنا کیا کہ دورِ جاہلی سے متعلق ان کے سلسلہ مضامین نے ان کے لئے قارئین کا ایک وسیع حلقہ پیدا کر دیا اور یوں ان کی تصنیفی زندگی کا آغاز ہوا۔ سو وہ اپنی معروف کتاب 'عربی ادب کی تاریخ' میں لکھتے ہیں:

> ''جزیرہ نمائے عرب میں اسلام سے پہلے کے زمانے کو زمانہ جاہلیت کہتے ہیں اور اس دور میں ہونیوالی شاعری کو جاہلی، شاعری کا نام کا دیا جاتا ہے لیکن جاہلیت کو جہالت کے ساتھ ساتھ خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔ یہ جہالت سے مختلف چیز ہے جہالت کے معنی ہیں اَن پڑھ اور بے علم ہونا لیکن جاہلیت نام ہے زندگی کے معاملات میں نامعقولیت، بے انصافی اور ڈھٹائی کا رویہ اختیار

کرنے کا نیز اس میں ایک خدا کو چھوڑ کر کئی بتوں کی پرستش کرنے کا مفہوم بھی شامل ہے۔(۱)

دورِ جاہلیت کی شاعری اوجِ کمال تک کیسے پہنچی اس حوالے سے تاریخ کوئی مستند ثبوت پیش کرنے سے قاصر ہے۔ جاہلیت کے عہد میں کوئی تقویم رائج نہ تھی اور عرب لوگ مختلف جنگوں کے حوالے سے گزرے ہوئے ماہ وسال کا تعین کرتے تھے اس لئے اس عہد کا ذکر سنین کے ساتھ کرنا محض قیاس آرائی ہوگی۔

''عربی شاعری کے سب سے قدیم نمونے جو دستیاب ہیں وہ ظہور اسلام سے ڈیڑھ سو برس پہلے تک جاتے ہیں اس طرح عربی زبان کی معلوم عمر ساڑھے پندرہ سو برس سے بھی متجاوز ہے تاہم اس کی لغت، اس کی صرف ونحو اور اس کا محاورہ اور روزمرہ آج بھی وہی ہے جو پندرہ سو برس پہلے تھا۔ کوئی شک نہیں کہ اس خصوصیت میں دنیا کی کوئی دوسری زبان اس کا مقابلہ نہیں کرتی۔ انگریزی زبان کی عمر تقریباً چھ سو سال ہے، اُردو زبان کی تقریباً چار سو سال، البتہ فارسی زبان ان دونوں سے قدیم ہے اور اس کی عمر گیارہ سو برس سے کچھ متجاوز ہے''۔(۲)

دنیا کے ہر حصے میں قومی اور علاقائی زبان میں فرق پایا جاتا ہے۔ اکثریت ممالک میں صورت حال یہ ہے کہ وہاں کے باشندے ایک دوسرے کی علاقائی زبان کو نہیں سمجھ سکتے۔ ایسا ہی معاملہ عربی زبان کے حوالے سے ہے۔ ایک فصیح عربی ہے جو قرآن کریم کی ہے۔ یہ تمام عرب ممالک کی زبان ہے، دوسری عامی عربی جو مقامی لوگ بولتے ہیں۔ فصیح عربی سعودی عرب، کویت، متحدہ عرب امارات، قطر، عمان، بحرین، یمن، عراق، اُردن، شام، لبنان، فلسطین، مصر، سوڈان، لیبیا، تیونس، الجزائر اور مراکش میں بولی جاتی ہے۔

''ماہرین لسانیات نے جس طرح آریائی زبانوں کے تین حصے لاطینی، یونانی اور سنسکرت کئے ہیں۔ سامی زبانوں کو بھی تین حصوں آرامی، کنعانی اور عربی میں تقسیم کر دیا ہے۔ آرامی زبان سے کلدانی، اشوری، اور سریانی زبانیں وجود میں آئیں۔ کنعانی زبان عبرانی اور فنیقی زبان کا سرچشمہ ہے۔ عربی سے مصر کی فصیح زبان اور دوسری متفرق بولیاں جنہیں یمنی اور حبشی قبائل بولتے ہیں وجود پذیر ہوئیں۔ عربی زبان دُنیا سے الگ محدود علاقہ میں رہنے کی وجہ سے دوسری زبانوں کے برعکس انقلابات زمانہ سے بہت کم متاثر ہوئی۔ اس لئے یہ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ عربی ہی وہ زبان ہے جو آرامی اور کنعانی زبانوں کی نسبت اپنی اصل سے مشابہ اور قریب تر ہے''۔(۳)

ماہرین لسانیات اس بات پر متفق ہیں کہ سامی زبان ان قوموں کی زبان ہے جو حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی نسل سے تھیں۔ عربی زبان دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں سے ایک ہے۔ ظہور اسلام سے قبل یہ جزیرہ عرب میں نہ صرف موجود تھی بلکہ اپنے ارتقاء کی ساری منزلیں طے کر چکی تھی تاریخی اعتبار سے عرب قوم کے تین طبقے تھے۔

## عرب بائدہ:

یہ بہت قدیم عرب لوگ تھے جن کا کوئی مستند حال معلوم نہیں ہے سوائے ان بیانات کے جو قرآن یا حدیث میں ان کے بارے میں آئے ہیں۔ ان کے قدیم قبائل میں طلسم، جدیس، عاد اور ثمود تھے۔ عادِ جنوب کی طرف احقاف میں رہتے تھے۔ بڑی متمدن قوم تھے ان کی طرف حضور ہودؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ ثمود حجاز اور شام کے درمیان وادیٔ قری میں آباد تھے۔ ان کی طرف حضرت صالحؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔

## عرب عاربہ:

یہ وہ لوگ تھے جو فرات کے علاقے سے آ کر یمن میں بس گئے تھے۔ ان کا تعلق یعرب بن قحطان سے تھا جس کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ عربی زبان کی ابتداء اسی سے ہوئی تھی۔ ان کے حکمران یہودی مذہب کے پیرو تھے۔

## عرب مستعربہ:

> ''یہ لوگ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد تھے جو انیسویں صدی قبل مسیح میں حجاز میں پروان چڑھے اور یہاں انہوں نے جرہم کے شاہی خاندان میں شادی کی چنانچہ یہاں ان کی نسل چلی لیکن یہ لوگ زمانے کی گرد میں ایسے گم ہوئے کہ ان کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہ چل سکا اور تاریخ میں پہلی بار جو نام گمنامی سے اُبھر کر سامنے آیا وہ عدنان کا تھا اور اسی سے صحیح عرب نسب شروع ہوتا ہے۔ عدنانیوں نے حجاز میں سکونت اختیار کی اور اسکے مختلف قبائل مختلف علاقوں میں بس گئے۔ مثلاً قریش نے مکہ اور اس کے اطراف میں سکونت اختیار کی، ثقیف طائف میں بس گئے، بنوتمیم بصرہ میں، ہوازن مکہ کے مشرق میں اور بنو اسد مشرقی تیما اور مغربی کوفہ میں''۔ (۴)

قبل از اسلام دور میں جو ادب تخلیق ہوا، اس کا بہت سا سرمایہ ضائع ہو گیا۔ عربی زبان اسلام سے ڈیڑھ سو برس قبل کے زمانے میں تمام عرب میں رائج تھی۔ کسی بھی زبان کو دیکھ لیں اس میں نثر پہلے وجود میں آتی ہے اور شاعری بعد میں۔ نیز اظہار کا آسان ذریعہ ہے اور شاعری قواعد وضوابط کی پابند ہوتی ہے۔ اس دور میں تحریر کا رواج

بہت کم تھا اس لئے نثر کے زیادہ تر نمونے خطبات ضرب الامثال، حک یمانہ مقولوں اور تقاریر پر مشتمل ہیں۔

''ابوعمرو بن العلاء کے مشہور قول کے حوالے سے کہ قبل از اسلام کے عربی ادب کا بہت سا سرمایہ ضائع ہو گیا جس قدر ہم تک پہنچ سکا ہے اس کا غالب حصہ شاعری پر مشتمل ہے کیونکہ شعر نثر کی نسبت جلد یاد ہو جاتا ہے اور تادیر یاد رہ سکتا ہے چنانچہ ایک ایسے معاشرے میں جس میں تحریر کا رواج کم کم ہو شعر فطری طور پر نثر سے بڑھ کر محفوظ رہ سکتا تھا''۔(۵)

عربی شاعری سے پہلے عربی نثر کی چند امثال بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

**''اسمع جمجعة ولا ٔ اری طعناً''.**

چکی کی گڑگڑاہٹ تو سنتا ہوں مگر آٹا کہیں دکھائی نہیں دیتا۔(۶)

**الخطازاد العجول**۔ غلطی عجلت پسند کا زادِراہ ہوتی ہے۔

**یامن سلک الجدد امن العثار .** جو سیدھے اور پختہ راستے پر چلے گئے پھسلنے سے بچا رہے گا۔(۷)

**یداک او کتا و فول نفخ.** تیرے ہاتھوں نے باندھا اور تیرے منہ نے پھونک ماری

عیّ صامت خیر من عیّ ناطق۔ خاموش بے وقوفی ناطق بے وقوفی سے بہتر ہے۔(۸)

جاہلی نثر میں خطبات کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ عموماً عرب مقرر سجع کی پابندی کرتے تھے ان کے جملوں میں قافیہ اور وزن ہوتا تھا۔ وہ تقریر موثر سمجھی جاتی تھی جو فصاحت و بلاغت کا نمونہ ہو۔ خطبہ بھری مجلس یا میلوں میں دیا جاتا تھا لیکن وصیت ایک معین وقت پر مخصوص لوگوں تک محدود ہوتی تھی۔ اہل عرب قوت خطابت کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ وہ بچپن سے ہی اپنے بچوں کی تربیت اس انداز سے کرتے تھے کہ ان میں خطابت کا ملکہ پیدا ہو جائے۔ دوران خطابت خطیب کسی ٹیلے پر چڑھ کر یا کسی اُونٹ اور گھوڑے پر سوار ہو کر لوگوں سے خطاب کرتا تھا۔ دوران خطاب حسب موقع ہاتھ ہلانا، اشاروں سے کام لینا، ہاتھ میں عصا یا تلوار کا سہارا لینا ان کے ہاں رائج تھا۔

خطبائے عرب میں بہت سے خطیبوں کے نام شامل ہیں لیکن دو بڑے خطیب نمایاں ہیں۔

''قُس بن ساعدہ کا نام فصاحت و بلاغت میں ضرب المثل ہے۔ حضورؐ نے اسے سوقِ عکاظ میں ایک خاکستری رنگ کے اُونٹ پر بیٹھ کر خطبہ دیتے سنا اور اس کے حُسن کلام اور سلامتِ طبع نے آپؐ کی خاطرِ عاطر پر اچھا تاثر چھوڑا جس کا ذکر آپؐ نے بعد کے زمانے میں بھی فرمایا۔ اللہ قُس پر رحم فرمائے مجھے اُمید ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنی ذات میں ایک اُمت کے طور پر اٹھایا

جائیگا''۔(۹)

''عمر بن معدیکرب زبیدی دوسرا خطیب تھا جو آنحضرتؐ سے اس وقت ملا آپؐ تبوک سے واپس آرہے تھے چنانچہ وہ اور اس کی قوم کے لوگ مسلمان ہو گئے لیکن پھر جاہلیت کی پرانی عادتوں کی وجہ سے اسلام کی زندگی اسے راس نہ آئی اور اس نے اسلام چھوڑ دیا لیکن کچھ عرصے کے بعد وہ پھر مسلمان ہوا اور ایک سو دس برس کی عمر میں جنگ قادسیہ میں شریک ہوا۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری زمانے میں فوت ہوا۔ اس کی تقریر کا ایک مشہور جملہ ہے کہ چھوٹے سے دو عضو ہیں جن سے انسان انسان بنتا ہے ایک دل اور دوسرا زبان!(۱۰)

شعر جو اپنی تاثیر کے حوالے سے دیرپا اثر چھوڑتے ہیں اور مختصر الفاظ میں طویل مضمون ادا کر دیتے ہیں۔ ہر دور میں شاعری کی اہمیت مسلم رہی ہے۔ وہ دور جسے زمانہ جاہلیت کہا جاتا ہے اپنی شاعری کے حوالے سے یادگار تخلیقات کا حامل ہے اگرچہ اس شعری سرمایے کا بہت تھوڑا حصہ دست بردِ زمانہ سے محفوظ رہ سکا۔ جاہلی ادب کا اہم ترین حصہ شاعری ہے۔ بحیثیت مجموعی جب کسی قوم کی ادب کی بات ہوتی ہے تو عموماً شاعری کو اولیت کا درجہ حاصل ہے کیونکہ شاعری نازک احساسات کا وہ بیان ہے جو دل و دماغ پر ایک گہرا اور دیرپا تاثر چھوڑتا ہے۔

''عربی شاعری کے جو قدیم ترین نمونے ہمیں ملتے ہیں ان کا زمانہ زیادہ سے زیادہ اسلام سے کوئی ڈیڑھ سو برس قبل تک کا قرار دیا جاسکتا ہے اس شاعری کا فنی کمال خود یہ واضح کر دیتا ہے کہ یہ قدیم ترین نمونے ہرگز عربی شاعری کے اولین نمونے نہیں ہیں بلکہ ان کے پس منظر میں صدیوں کی فنی تراش خراش کا عمل جاری رہا ہے جس تک ہماری رسائی نہیں۔ جب تاریخ ادب کی آنکھ کھلتی ہے تو وہ عربی شاعری کو بامِ عروج پر متمکن دیکھتی ہے اور اس کے ارتقائی زینے کا کوئی سراغ اپنے سامنے نہیں پاتی۔ خود شعرائے جاہلیت کے کلام میں بعض داخلی شہادتیں اس اوجھل ماضی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ قصیدے کے آغاز میں دیارِ محبوب پر گریہ وزاری کا مضمون عموماً امرؤالقیس کی اختراع خیال کیا جاتا ہے لیکن خود امرؤالقیس کے ہاں یہ شعر ملتا ہے''۔(۱۱)

''ذرا پرانے کھنڈروں پر رُکنا کہ اُجڑے دیار پر ہم بھی آنسو بہالیں گے جس طرح ابن حِذام نے بہائے تھے''۔(۱۲)

''دوستو!(خیمہ گاہ کے) برسوں پرانے آثار پر رکو کہ ہم بھی گھروں پر اُسی طرح گریہ کر سکیں جس طرح ابن حِذام نے کیا''۔(۱۳)

''عوجا علی الطلل المحیل لعنا بنکی الدیا ر کما بکی ابن حِذام

دوستو! ذرا برس دن پرانے اس کھنڈر پر رُک جانا کہ ہم اس اُجڑے دیار پر آنسو بہالیں، جسے ہم سے پہلے شاعر ابن حِذام نے بہائے تھے۔

سامی لوگوں میں عرب لوگ شاعری کے زیادہ قریب تھے اور اُن کے معاشرے میں شاعر خصوصی اہمیت کا حامل تھا جبکہ دیگر اقوام میں صورتحال سے اس سے مختلف تھی۔ وہ اس معاشرے میں جس شخص کو چاہتا اس کے محاسن بیان کر کے سر بلند کر دیتا اور جس کو چاہتا اس کی ہجو لکھ کر اسے ذلیل وخوار کر دیتا ہے گویا وہ چلتا پھرتا ذرائع ابلاغ تھا اس لئے جب کسی قبیلے میں کوئی بڑا شاعر منظر عام پر آتا تو اسے مبارکباد دی جاتی اور بڑی خوش قسمتی تصور کی جاتی۔ موضوعات کے حوالے سے دیکھا جائے تو شاعری مختلف موضوعات میں منقسم رہی ہے۔ اسی تنوع کی بناء پر اس میں دل آویزی کا عنصر بھی برقرار رہا ہے، ہر خطے نے اپنی تہذیب وثقافت کے مطابق موضوعات کا چناؤ کیا ہے۔ بحیثیت مجموعی شاعری کی تین اقسام زیادہ اہم ہیں۔

''شاعری کی پہلی قسم جذبہ واحساس یا طربیہ وغنائیہ شاعری سب سے پہلے وجود میں آئی۔ اس لئے کہ اس کی بنیاد غنائیت ہے اور اس میں انسان دوسروں سے پہلے اپنے دل کی بات کرتا ہے، ایک عرب کے سامنے چونکہ صرف صحرا کے تناظر ہوتے تھے اور قصے اس نے صرف بہادری کے اور جنگوں کے سنے تھے اور حسن اس نے صرف عورت کا دیکھا تھا اس لئے ایک عرب شاعر کے کلام میں جہاں قدرت کے مناظر اور جنگل کے حیوانوں اور سواری کے جانوروں کا بیان ہوتا ہے وہاں اس میں لڑائیوں میں دادِ شجاعت دینے والے بہادروں کا احوال بھی سننے میں آتا ہے نیز اس میں عشقیہ شاعری اور محبوباؤں اور ان کے ہجر ووصال کا تذکرہ بھی ہوتا ہے۔ یہی تین موضوعات ہیں جو جاہلی شاعری میں تکرار سے اور ایک ہی انداز میں ملتے ہیں۔ عربی قصیدے میں موضوعات کی یہ تکرار اتنی بڑھی کہ جاہلی شاعر زہیر کو کہنا پڑا کہ

ما ارنا نقول الا معاراً او معاداً من لفظنا مکرورا.

ترجمہ: میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ ہم جو بھی کہتے ہیں وہ یا تو کسی سے مستعار لیا ہوا ہوتا ہے یا پھر اس میں ہماری کسی بات کی تکرار ہوتی ہے''۔ (۱۴)

شاعری کی رزمیہ اور تمثیلی قسم کا عربوں کے ہاں کوئی وجود نہیں تھا کیونکہ یہ سوچ وفکر کی متقاضی تھیں جبکہ عرب شاعر بے ساختہ گوئی کے قائل تھے۔ انہیں اپنے سوا کچھ اور دکھائی نہیں دیتا تھا اس لئے وہ دوسروں کا مشاہدہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے ان کی شاعری ان طویل رزم ناموں سے خالی رہی جن میں قوم کے کارنامے فخر سے بیان کئے جاتے تھے اور نہ وہ ڈرامائی اور تمثیلی شاعری تخلیق کر سکے لیکن اس کے باوجود زمانہ جاہلیت کی شاعری میں ایسی خصوصیات موجود تھیں جس نے اسے حیات جاوید بخشی۔

''اس شاعری کی پہلی خصوصیت راستی اور سچائی ہے اس میں اختصار زیادہ، مجاز کم اور مبالغہ تو بالکل ہی نادر ہے۔ دوسری خصوصیت اس میں منطقی طریقوں اور طبعی تقاضوں کے مطابق ترتیب و تسلسل افکار پر بہت کم توجہ دی گئی ہے بعض شعروں کو بالکل حذف کر دیا جائے تو بھی کوئی کمی معلوم نہیں ہوتی۔ اس لئے ان کے نزدیک شاعری کو پرکھنے کا معیار ایک ایک شعر ہوتا تھا نہ کہ پورا قصیدہ۔ تیسری خصوصیت کہ اس کا آغاز کھنڈرات اور مکانات کے ذکر سے ہوتا ہے اس لئے کہ وہ خانہ بدوش زندگی گزارتے تھے۔ آج یہاں خیمے نصب کر لئے کل وہاں۔ اس لئے اس شاعری میں نیرنگی کم اور مشابہت زیادہ پائی جاتی ہے۔(۱۵)

جاہلی شاعری اس دور کے معاشرے میں بہت اہمیت کی حامل تھی، اس حوالے سے کچھ شکوک وشبہات کا اظہار کیا گیا ہے کہ طویل مدت گزرنے کے باعث اس میں تبدیلیاں ہوئی ہوں گی کیونکہ بعد کے زمانے کے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اپنے مضبوط شعری ملکہ کی بناء پر جاہلی شاعری کی طرز پر شعر کہتے تھے اور انہیں جاہلی کلام سے ممیّز کرنا آسان نہ تھا لیکن اس سب کے باوجود جاہلی شاعری کا ایک بڑا ذخیرہ ایسا بھی ہے جس کے مسلم ہونے میں کوئی شک نہیں ہوسکتا۔ یہ عربی ادب کی اصل اور بنیاد ہے اور آنے والے ادوار کے لئے اعلیٰ نمونہ ہے۔ جاہلی شاعری کے نمائندہ اور مستند نمونوں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

(۱) معلقات: یہ سات چوٹی کے جاہلی شعراء کے سات طویل قصیدے ہیں جن کو عکاظ کے میلے کے سالانہ مقابلوں میں بہترین قرار دیا گیا اور وہ ایک مقبول عام روایت کے مطابق سونے کے پانی سے لکھ کر درِ کعبہ پر لٹکائے گئے تھے۔ کوئی شک نہیں کہ جاہلی شاعری کے بہترین نمونے ان سات قصائد میں ملتے ہیں جن کے شعراء کے نام یہ ہیں امرؤالقیس، طرفہ بن العبد، زہیر بن ابی سلمٰی، لبید بن ربیعہ، عمرو بن کلثوم، عنترہ بن شداد اور حارث بن حِلزہ۔ چونکہ یہ قصائد سونے کے پانی سے لکھے جاتے تھے اس لئے ان کو مذہبات بھی کہا گیا۔

زمانی اعتبار سے جاہلی شعراء کو دو طبقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

**(i) جاہلی شعراء:۔** یہ وہ شاعر ہیں جو اسلام سے پہلے ہوئے اور اگرچہ ان میں سے بعض نے اسلام کا زمانہ پایا لیکن اس زمانے میں انہوں نے کوئی خاص شاعری نہیں کی۔ ان میں امرؤالقیس، طرفہ، زہیر، لبید، امیہ بن ابی الصلت شامل ہیں۔

**(ii) مخضرم شعراء:۔** ایسے شعراء جن کی زندگی کا کچھ حصہ جاہلیت میں گزرا اور کچھ اسلام میں اور انہوں نے دونوں زبانوں میں شعر کہے۔ ان میں حسان بن ثابت، خنساء شامل ہیں۔

**۲۔ مفضلیات:** یہ جاہلی شاعری کا وہ انتخاب ہے جو آٹھویں صدی عیسوی میں ایک عالم اور ادیب مفضل الضبی نے خلیفہ ابوجعفر منصور کے کہنے پر اس کے بیٹے اور ولی عہد مہدی کے لئے تھا جو اس کا شاگرد تھا۔

**۳۔اصمعیات** : یہ انتخاب مشہور اصمعی نے آٹھویں صدی عیسوی ہی میں ہارون الرشید کے کہنے پر اس کے بیٹے امین کیلئے کیا۔ ان دونوں مجموعوں میں معلقات کے شعراء کو چھوڑ کر دورِ جاہلیت کے دوسرے بڑے شعراء کا کلام ہے۔

**۴۔دیوان الحماسته** : یہ جاہلی اور اسلامی دور کی شاعری کا وہ مشہور اور قابل قدر انتخاب ہے جو دور عباسی کے نامور شاعر ابو تمام (م ۸۴۵) نے نویں صدی عیسوی میں کیا اور اس میں عربی شاعری کے بہترین نمونوں کو جگہ دی۔

**۵۔جمهرة اشعار العرب** : بارہویں صدی عیسوی کے اوائل میں عربی کے ایک بڑے عالم اور ادیب ابو زید قرشی نے جاہلی اور ابتدائی اسلامی دور کی بہترین شاعری کا انتخاب سات سات نظموں پر مشتمل سات عنوانات کے تحت کیا''۔(۱۶)

معلقات کے ان شعراء کا مختصر حال ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

## ۱۔امرؤالقیس (م ۵۴۰)

> اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ جاہلی شعراء کا سرخیل اور ان کا رئیس طائفہ امرؤالقیس تھا۔ یہ شاعر جو الملک الضلیل (دربدر پھرنے والا بادشاہ) کے لقب سے مشہور ہوا اس نے اپنی شاعری میں ایسے ایسے اسالیب اور مضامین کی طرح ڈالی جس نے بعد کے شعراء کیلئے نمونے اور مثال کا کام دیا''۔(۱۷)

ان شعری خوبیوں کے برعکس ناز ونعم کے ماحول نے اس کی اخلاقی تربیت نہ ہونے دی۔ تربیت کے دوران جو عناصر کلیدی حیثیت کے حامل ہیں ان میں پیار کے ساتھ شیر کی آنکھ بہت ضروری ہے ورنہ شخصیت کے کسی پہلو میں ایسی کجی رہ جاتی ہے جو تمام عمر ساتھ نہیں چھوڑتی۔ کچھ ایسی ہی صورتحال سے ہمارا یہ شاعر بھی دوچار ہوا جس نے اسے معاشرے میں ناپسندیدہ بنا دیا تھا اور اس کا انجام بہت الم ناک ہوا۔

''امراء وسلاطین کی اولاد کی طرح امرؤالقیس کی پرورش بھی بڑے ناز ونعم میں ہوئی اور جب وہ جوان ہوا تو زندگی کی ساری آسائشیں اور عیش ونشاط کے سارے اسباب اس نے اپنی دسترس میں پائے۔ ایک خوش شکل شہزادہ، ایک ماہر گھڑ سوار، شراب اور شکار کا رسیا، ایسے آدمی کیلئے عشق ورومان کا دروازہ کہاں تک بند رہ سکتا تھا۔ اس نے اپنی شاعری میں ان سب معاشقوں کا برملا ذکر کیا اور محبوباؤں کا نام لے کر کیا۔ اس کی اس حرکت نے ان سب گھرانوں کو آتش زیر پا کر دیا جن کی بہو بیٹیوں کا ذکر کسی حوالے سے اس کے قصیدوں میں آیا تھا۔ بات بڑھتے بڑھتے اس کے باپ امیر حجر تک پہنچی اور اس نے اپنے عیاش بیٹے کو بلا کر بہت سختی سے تنبیہہ کی لیکن امرؤالقیس ایک فطری شاعر تھا اور اپنی روش پر قائم رہا۔ ادھر بادشاہ حُجر کو اپنا منصب اور اس کے تقاضے عزیز تھے چنانچہ اس نے انتہائی اقدام کا فیصلہ

کرتے ہوئے امرؤالقیس کو گھر سے نکال دیا۔ اس کے باپ کو اس کی شاعری پر نہیں اس کے مضامین پر اعتراض تھا اور اس نے حد یہ کی تھی کہ اپنے باپ کی ایک بیوی یعنی سوتیلی ماں کے محاسن بیان کرنے سے باز نہیں آیا تھا..... پاؤں کا یہ چکر بالآخر اسے یمن میں لے گیا اور وہیں اس پر وہ منحوس شام آئی جب وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ پینے پلانے اور چوسر کھیلنے میں مصروف تھا کہ کالے کوسوں کا سفر کر کے آئے ہوئے ایک قاصد نے اسے ناگہاں یہ خبر وحشت سنائی کہ اس کا باپ قبیلہ بنواسد کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ امرؤالقیس نے قاصد کی بات سنی اَن سنی کر دی اور دوست سے کہا چلو اپنا ہاتھ پھینکو۔ کھیل ختم ہونے پر قاصد کی طرف متوجہ ہو کر تفصیلات دریافت کرنے لگا۔ جب سب کچھ سن چکا تو کہنے لگا۔

**ضیعنی ابی صغیر او حملنی دمه کبیرا ه صحوالیوم ولا سکر غداً الیوم خمر وغدا امر.**

جب میں چھوٹا تھا تو باپ نے مجھے ضائع کر دیا اور اب بڑا ہوا ہوں تو مجھ پر اپنے خون کے بدلے کا بوجھ لاد دیا ہے آج تو نشہ اُترے گا نہیں اور کل نشہ چڑھے گا نہیں۔ آج دن جام کیلئے ہے اور کل کا دن ایک بڑے کام کیلئے۔

اپنی اس قسم کو پورا کرنے کیلئے اس نے بکر اور تغلب قبائل سے مدد حاصل کی۔ امرؤالقیس کو یوں تو کئی حسیناؤں کی قربت نصیب ہوئی لیکن اپنی خوبصورت عم زاد فاطمہ کا دل جیتنے میں وہ کامیاب نہ ہو سکا جس کی وجہ سے اس کی آوازہ مزاجی اور اخلاق و مروت سے گری ہوئی حرکتیں تھیں۔ اس حوالے سے وہ اپنے اشعار میں اس سے اس طرح مخاطب ہے۔

''اور ایک دن ٹیلے کی پشت پر وہ مجھ سے کھنچی کھنچی رہی اور آئندہ نہ ملنے کی ایسی قسم کھائی جس میں کوئی استثنا نہ تھا''۔

''اب بس کرو فاطمہ! یہ ناز و انداز کم کرو اگر تم نے مجھ سے قطع تعلق ہی کی ٹھانی ہے تو جو کچھ کرنا ہے بھلے انداز میں کرو''۔

> دربدری کے دوران امرؤالقیس کو کوئی جلدی عارضہ لاحق ہوا اور اس کے سارے جسم پر دانے نکل آئے۔ دن گزرتے گئے اور اس کا مرض بجائے گھٹنے کے بڑھتا چلتا گیا حتیٰ کہ وہ ایک دن زندگی کی بازی ہار گیا اور عسیب کی پہاڑی کے دامن میں دفن ہوا۔(۱۸)

## ۲۔ طرفۃ بن العبد (م ۵۶۴ء)

''طرفہ بن العبد یتیم پیدا ہوا اس کے چچاؤں نے اس کی پرورش کی لیکن انہوں نے اس بچہ کی تربیت میں لاپروائی برتی اور اسے بے ادب اور بے ڈھنگا بنا دیا۔ جوان ہوا تو بیکاری، آرام پرستی، کھیل کود اور مے نوشی کی عادت پڑ چکی تھی۔ جوانی کی ترنگ میں آ کر بادشاہ عمرو بن ہند کی ہجو کہہ ڈالی اس کی ہجو کی وجہ سے عمرو کے دل میں اس کے

خلاف کینہ جم گیا تھا۔ ایک مرتبہ جب وہ اپنے ماموں ملتمس (جس نے خود بھی بادشاہ کی ہجو کی تھی) کے ہمراہ امداد طلب کرنے کیلئے بادشاہ کے پاس گیا تو بادشاہ ان سے بظاہر نہایت تپاک سے ملا تا کہ وہ دونوں اس کی طرف سے مطمئن ہو جائیں پھر ان کیلئے انعام کا فرمان جاری کیا ساتھ ہی انہیں دو خط اپنے بحرین کے گورنر کے نام لکھ کر دیئے اور کہا کہ اپنا انعام پورا پورا وہاں جا کر گورنر سے وصول کر لیں۔ راستے میں ملتمس کے دل میں کچھ شک پیدا ہونے لگا اس نے ایک پڑھنے والے کی تلاش کی جس نے خط پڑھ کر سنایا اس میں لکھا تھا۔ ''بامک الھم! یہ خط عمرو بن ہند کی طرف سے مکعبر کو لکھا جا رہا ہے جونہی تمہیں ملتمس کے ہاتھ سے یہ خط ملے تم اس کے چاروں ہاتھ پیر کاٹ کر زندہ دفن کر دینا۔ اس نے وہ خط نہر میں ڈال دیا پھر طرفہ سے کہا بخدا! تمہارے خط میں بھی یہی بات لکھی ہے اس نے کہا ہرگز نہیں۔ میرے لئے ایسا نہیں لکھے گا اور اپنے راستہ پر ہو لیا۔ جب بحرین کے گورنر کے پاس پہنچا تو اس نے اسے قتل کر دیا اس وقت وہ چھبیس سال کا تھا۔ بچپن سے ہی وہ نہایت ذہین، حساس اور زود فہم تھا اس کا شمار بلند پایہ شاعروں میں ہونے لگا اس کی شہرت اس کے معلقہ کی وجہ سے ہوئی۔ معلقہ کے شعر کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

**وما زال تشرابی الخمور ولذتی وبیعی وانفاقی طریقی ومتلدی**

**الی ان تحامتنی العشیرۃ کلھا وأفردت افراد البحر المعبد**

ترجمہ: میری آرام دوستی، شراب نوشی، موروثی اور ذاتی مال کو فروخت کرنے اور اسے بے دریغ خرچ کرنے کی عادتیں مجھ سے نہ چھوٹ سکیں تا آنکہ تمام خاندان مجھ سے برگشتہ ہو گیا اور میں خارشی اُونٹ کی طرح تنہا کر دیا گیا جسے کول تارمل کر گلہ سے نکال دیا جاتا ہے''۔(۱۹)

## ۳۔ زہیر بن ابی سلمٰی (م ۶۱۱)

زہیر کی تربیت بنی غطفان میں اس کے باپ کے رشتہ داروں میں ہوئی اور اس کے اپنے باپ کے ماموں بشامہ بن الغدیر کی صحبت اختیار کی جو اگرچہ معذور تھا لیکن دانا اور حکیم تھا۔ زہیر نے اس کی شاعری کا اثر قبول کیا۔ اس کے علاوہ وا اپنے سسر اوس بن حجر کے ساتھ بھی کافی عرصہ اس کا راوی بن کر رہا۔ اس کی دو ہمشیر گان سلمٰی اور خنساء اور دو بیٹے کعب بن زہیر اور بجیر سب نے شاعری میں نام پیدا کیا۔ زہیر امارت کے باوجود بہت حوصلہ مند، صائب الرائے، امن کا دلدادہ اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا شخص تھا اس کے معلقے کے یہ اشعار اس کے ایمان پر دلالت کرتے ہیں۔

**فلا تکتمن اللہ ما فی صدورکم لیخفی ومھما یکتم اللہ یعلم**

**یوخر فیوضح فی کتاب فیدخر لیوم حساب او یعجل فینقم**

''جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے وہ اللہ سے ہرگز نہ چھپاؤ اس خیال سے کہ وہ مخفی رہے اس لئے کہ جو کچھ

بھی اللہ سے چھپایا جائے گا وہ اسے جان لے گا''۔

''یا تو اسے تاخیر میں ڈالا جائے گا اور ایک کتاب میں لکھ کر یوم حساب تک محفوظ کر دیا جائے گا یا پھر اس سے جلد ہی نمٹا جائے گا اور یہیں اس کی سزا دے دی جائے گی''۔(۲۰)

## ۴۔لبید بن ربیعہ (م۶۶۱)

''بنو عامر کا لبید بن ربیعہ چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں پیدا ہوا اور معاویہ کی خلافت کے آغاز میں فوت ہوا۔ یہ عمر میں معلقات کے سات شعراء میں سب سے چھوٹا تھا۔لبید نے جب اسلام قبول کیا تو عام روایت کے مطابق اس کے بعد اس نے شعر کہنے ترک کر دیئے۔ وہ کہتا تھا کہ ''خدا نے اس کے بدلے مجھے قرآن سے نوازا ہے''۔اسلام لانے سے پہلے لبید بھی زہیر کی طرح قوی مذہبی میلانات رکھتا تھا۔اس کا معلقہ بہت پُر زور الفاظ اور سنجیدہ اسلوب والی نظم ہے۔

یہ اٹھاسی اشعار پر مشتمل ایک میمیہ قصیدہ ہے۔اس کا آغاز عام روایت کے مطابق محبوبہ کے اُجڑے ہوئے دیار کے دُکھ سے ہوتا ہے۔

**عفت الدیار معلھطا فمقا مھا　　　بمنی تابدغو لھا فر جا مھا**

مقام منیٰ کے دیار جن میں کچھ دن ٹھہرے تھے اور پھر زیادہ عرصہ بھی وہاں قیام رہا سب مٹ گئے اور غول اور رجام کے پہاڑی ڈیرے بھی اُجاڑ ہو گئے۔

چنانچہ زمانۂ اسلام میں اس کی زبانی صرف ایک شعر روایت کیا جاتا ہے۔

**الحمد اللہ اذلم یا تنی اجلی　حی اکستیت من الاسلام سرباہ**

''تعریف ہو اللہ کی کہ مجھے اس وقت تک موت نہیں آئی جب تک میں نے اسلام کا جامہ نہیں اوڑھ لیا''

''یہ بات صحیح نہیں ہے کہ اس نے اسلام کے بعد شاعری نہیں کی اس کے دیوان میں ایسی نظمیں ہیں جو اس نے اپنی وفات سے کچھ ہی عرصہ پہلے کہی تھیں اور اسلام لانے کے بعد وہ تیس برس سے بھی زیادہ عرصہ زندہ رہا تھا''۔(۲۱)

## ۵۔عمرو بن کلثوم (م۵۸۴ء)

''عمرو بن کلثوم کی حقیقی شخصیت ماضی کے دھندلکوں میں فنا ہو چکی ہے اب اس کے حالات زندگی کے نام پر افسانوی روایات سے زیادہ کچھ نہیں ملتا''۔عمرو بن کلثوم جاہلیت کے اعلیٰ خاندانوں میں سے ایک خاندان کا فرد تھا اور بہت بہادر شاہسوار تھا۔اسے اپنی سرداری کے امور اور جنگوں میں شرکت نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ شاعری کی

طرف توجہ دیتا۔ اس نے ایک ہی معلقہ کہا اور اس کی وجہ سے اتنا ہی مشہور ہو گیا جتنا دوسرے لوگ بہت سی شاعری کر کے ہوئے تھے۔ اس کی شاعری میں الفاظ کا حسن ہے، عبارت کی موزونیت ہے، معنی اور خیال کی صفائی، اسلوب کی خوبصورتی، جذبہ فخر کی شدت اور مقصد کی بلندی ہے۔ اس کے معلقے کا آغاز دیارِ محبوب کے ذکر کی بجائے ساغر وساقی سے ہوتا ہے۔

**الا ھبی بصحنک فاصبحینا ولا تبقی خمار الاندرینا**

اے ساقی! اپنا پیالہ شراب کا لے کر اُٹھ اور صبح سویرے ہی ہمیں پلا دے اور اندرین کی بہترین شراب کو بچا کر مت رکھ''۔ (۲۲)

## ۶۔ حارث بن حِلزہ (م ۵۷۰ء)

ابو ظلیم حارث بن حلزہ یشکری بکری کو خاندان بکر میں وہی مقام حاصل تھا جو عمرو بن کلثوم کو خاندان تغلب میں۔ اس کی شہرت کا باعث وہ مشہور قصیدہ ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے وہ قصیدہ بادشاہ کے سامنے فی البدیہہ کہا تھا۔ اس قصیدہ کے کہنے کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بکر وتغلب کے قبیلوں نے عمرو بن ہند کے سامنے ہتھیار ڈال کر یہ طے کیا کہ وہ دونوں قبیلوں سے ضمانتیں لے کر مظلوم کو ظالم سے حق دلائے۔ اس موقع پر دونوں قبیلے ایک دوسرے پر الزامات اور تہمتیں لگانے لگے۔ بادشاہ تغلبیوں کی جانب مائل تھا اس جانبداری نے شاعر کے جذبات کو اُبھارا جو اس مجلس میں حاضر تھا ایک دم وہ کھڑا ہوا اور برجستہ اپنا قصیدہ سنانا شروع کر دیا۔ قصیدہ میں اس نے بادشاہ کی مدح اس عمدگی سے کی کہ اسے اپنا ہم خیال بنا کر اپنے قبیلہ کا طرف دار بنا لیا۔ حارث نے بڑی لمبی عمر پائی حتیٰ کہ اصمعی کا خیال ہے کہ اس قصیدہ کو سناتے وقت وہ ایک سو پینتیس برس کا تھا۔ (۲۳)

اس معلقے کا مطلع روایت کے مطابق تشبیب سے شروع ہوتا ہے محبوبہ کا قبیلہ کوچ کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اسے یہ خبر سنانے آتی ہے۔

**''آذنتنا بینھا اسماء رُبّ ثا ویمل منه الثواء''**

''اسماء نے ہمیں اپنے جدا ہونے کی خبر سنا دی۔ بسا اوقات اپنے قرب میں ٹھہرے ہوئے آدمی سے طبیعت اُچاٹ ہو جاتی ہے لیکن اسماء ایسی نہیں تھی''۔ (۲۴)

بعض اوقات انسان کی شخصی خوبیاں اس کی صورت پر غالب آجاتی ہیں اس کا علم وکمال اس کی ظاہری بدصورتیوں کی پردہ پوشی کرتا ہے اور سیرت صورت پر حاوی ہوجاتی ہے کچھ ایسی ہی صورتحال حارث کے ساتھ پیش آئی۔ بادشاہ جو اس کی صورت سے بیزار تھا اس کی شاعری سے اتنا متاثر ہوا کہ اسے اپنے قریب بلا لیا۔'' حارث برص میں مبتلا تھا اور بادشاہ کو برص والے کی طرف دیکھنے سے بھی کراہت تھی چنانچہ حارث نے یہ قصیدہ پردے کے پیچھے کھڑے ہوکر سنایا مگر کلام کی تاثیر ایسی تھی کہ پردہ ہٹوا کر بادشاہ نے اسے اپنے قریب بلوا لیا''۔(۲۵)

## ۷۔عنترہ بن شدّاد (م ۶۱۵ء)

''عنترہ کا تعلق بنوعبس سے تھا۔عنترہ کی ماں زبیبہ ایک حبشی کنیز تھی جس سے عنترہ نے سیاہ رنگت ورثے میں پائی۔عربوں کا قاعدہ تھا کہ لونڈی کے پیٹ سے جو اولاد پیدا ہوتی تھی اسے بھی وہ غلام بنا لیتے تھے اور اس سے غلاموں والے کام لیتے تھے جب تک وہ اپنے کارہائے نمایاں سے اپنی نجابت کا کوئی ثبوت مہیا نہ کردے۔عنترہ بھی اپنے باپ کے خاندان میں اچھوت کی طرح رہتا تھا اسے اپنی سیاہ رنگت اور کنیزک زادی کی وجہ سے طعنے سننے پڑتے تھے ان حالات کا مداوا اس نے اس طرح کیا کہ اس نے فنون جنگ اور شاہ سواری میں مہارت حاصل کرلی اور شجاعت میں نامور ہوگیا۔ایک دفعہ کسی قبیلے نے بنوعبس کے کچھ آدمیوں پر حملہ کیا اور ان کے اُونٹ اور گھوڑے لے کر بھاگ گئے۔بنوعبس نے ان کا پیچھا کیا لیکن دشمن کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔اس موقع پر عنترہ کے باپ نے اس سے کہا اے عنترہ حملہ کر۔اس نے طنزیہ لہجے میں کہا غلام کہاں حملہ کرسکتا ہے وہ تو بس دودھ دوہنا اور تھنوں کو باندھنا جانتا ہے۔اس پر باپ نے کہا اگر حملہ کردے تو تو آزاد ہے۔چنانچہ عنترہ ان لوگوں پر ٹوٹ پڑا اور اس بہادری اور بےجگری سے لڑا کہ وہ گھوڑے اور اُونٹ چھوڑ کر بھاگ گئے اور عنترہ اپنے جانوروں کو واپس لے آیا۔ اس کارنامے کے بعد اس کے باپ نے اسے اپنے نسب میں شامل کرلیا اور لوگ اسے عبس کے سردار اور ایک بڑے شاہ سوار کی حیثیت سے جاننے لگے۔ہمارے اس شاعر نے بھی لمبی عمر پائی۔آخری زمانے میں بڑھاپے کی وجہ سے وہ بہت نحیف ولاغر تھا قبیلہ طیّ پر حملے کے دوران میں وہ ایک تیر کے زخم سے ہلاک ہوگیا۔اسے نوجوانی میں اپنی چچا زاد عبلہ سے محبت ہوگئی تھی۔اس نے اسے حاصل کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اس کے چچا نے اسے اپنی دامادی میں لینا گوارا نہ کیا۔اس محرومی کے سبب اس کی شاعری میں شجاعت کی بلند آہنگی کے ساتھ ساتھ محبت کا گداز بھی پیدا ہوگیا۔عنترہ کا معلقہ بحرِ کامل میں ایک میمیہ ہے جس کے اشعار کی تعداد ۷۵ سے ۸۵ تک ہے۔آغاز حسب دستور تشبیب سے ہوتا ہے

**هل غادر الشعراء ومن میردم ام هل عرفت الدار بعد توهم**
**یا دار عبلة بالجواء تکلمی وعمی صباحاً دار عبلة واسلمی**

'کیا شاعروں نے بخیہ گری کیلئے کوئی جگہ چھوڑی بھی ہے اور کیا تو نے محبوبہ کا گھر بہت غور کے بعد پہچانا ہے۔

جواء کے مقام پر اے عبلہ کی حویلی! تو کچھ تو بول، تو ہر صبح خوش وخرم رہ اور تم پر سلامتی سایہ فگن ہو''۔(۲۶)

جاہلی ادب کے اس جائزے کے بعد چند سوالات سامنے آتے ہیں؟

☆ کلاسیکی ادب کیسے عربی ادبیات سے متاثر ہوا؟
☆ کیوں ہماری ادبی دنیا عربی ادبیات سے دُور ہوئی؟
☆ عربی ادبیات کو ہم نے دینی کیوں سمجھ لیا؟

پہلے سوال کے جواب میں بہت سی نصابی کُتب موجود ہیں تاہم میں دوسرے اور تیسرے سوال کو ملا کر جواب دینے کی کوشش کرتی ہوں۔

ہمارے قومی شاعر اقبال کا خیال تھا کہ:

تاثیر غلامی سے خودی جس کی ہوئی بزم
اچھی نہیں اس قوم کے حق میں عجمی لے

انہوں نے اپنی لے کو حجازی اور اپنی شراب کو عربی قرار دیا ہے۔

عجمی خم ہے تو کیا مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری

عرب شعراء کی واقعیت نگاری اور جذبہ حریت ان کی روح کے بہت قریب تھا۔ سرزمین حجاز اقبال کا جزیرۂ خواب تھی جہاں آسودۂ خاک ہونا ان کی عمر بھر کی آرزو تھی۔ ان کا باطنی تعلق عرب تہذیب سے تھا۔ جدہ میں شفا خانہ حجاز کھلنے کی خبر پر ان کا تبصرہ یہ تھا۔

اوروں کو دیں حضور یہ پیغام زندگی میں موت ڈھونڈتا ہوں زمین حجاز میں (۲۷)

اقبال کی اس پُر اثر شاعری نے یکلخت دنیائے ادب کی توجہ عربی ادب کی طرف مبذول کی ان کی پیش قدمی میں اور شعراء نے بھی عربی ادب سے استفادہ کیا۔

مشہور رومانوی شاعر اختر شیرانی (۱۹۰۵ء تا ۱۹۴۸ء) نے ابتدائی تعلیم میں اُردو اور فارسی کے ساتھ عربی کی تعلیم بھی حاصل کی۔ اس لئے عرب شعراء اور وہاں کی صحرائیت اور سادگی کیلئے اُن کے انداز میں ایک والہانہ پن ہے۔

کس نے پھر چھیڑ دیا قصہ لیلائے حجاز
دل کے پردوں میں مچلتی ہے تمنائے حجاز
دل دیوانہ دعا مانگ وہ دن پھر آئے
وہی ہم ہوں وہی سجدے وہی صحرائے حجاز (۲۸)

عربی ادب کی ترویج کیلئے اہم کردار ادا کرنے والا مصری ادیب ڈاکٹر طٰہٰ حسین (۱۸۸۹ء تا ۱۹۷۳ء) ہے۔ اپنے بعض متنازع بیانات اور تحریروں کی وجہ سے وہ ادباء اور نقادوں کی برہمی کا نشانہ بھی بنتے رہے ہیں لیکن اس سے قطع نظر اُن کی ادبی خدمات کا اعتراف نہ کرنا ادبی بددیانتی ہوگی۔ ''جامعۂ مصریہ سے فراغت کے بعد اس نے ابوالعلاء معری کی شاعری اور فلسفۂ زندگی پر ''ذکری ابی العلاء'' لکھ کر ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی''۔ (۲۹)

طٰہٰ حسین کی یہ کتاب عربی ادب کے حوالے سے دستاویز کا درجہ رکھتی ہے اس میں دیگر شعراء کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔ عربی ادب کیلئے ایک مستند حوالے کی حیثیت رکھنے والا نوبل انعام یافتہ مصری ادیب نجیب محفوظ (پ: ۱۹۱۱ء) ہے۔ اس کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور سویڈش زبان میں ہو چکا ہے۔ اس نے عربی افسانہ اور ناول کے حوالے سے اعلیٰ درجے کا ادب تخلیق کیا۔

عربی ادبیات کے حوالے سے شعور بیدار کرنے کیلئے ہمارے ادباء اور شعراء نے ہر ممکن کوشش کی اور اپنی جہد مسلسل میں انہیں کامیابی بھی حاصل ہوئی لیکن گردشِ دوراں نے وقت کے پہیے کو اتنی تیزی سے گھمایا کہ موجودہ دور میں عربی ادب کے اثرات ہمارے ہاں دور کی آواز بن کر سنائی دینے لگے۔ اس کی وجہ برصغیر پر سامراجی اقتدار کا غلبہ تھا جس نے دانستہ طور پر فارسی زبان کو پروان چڑھایا اور اسے سرکاری زبان کا درجہ دیا۔ اس طرح عربی زبان آہستہ آہستہ محدود ہوتی گئی اور عربی ادب نظروں سے اوجھل ہونا شروع ہو گیا۔

دوسری بڑی وجہ قدیم عربی شاعری کے بارے میں پائے جانے والے شکوک وشبہات بنے۔ گزشتہ ایک ڈیڑھ صدی کے دوران اس نوعیت کے شکوک وشبہات میں اس قدر شدت سے کام لیا گیا کہ بات انتہا کو پہنچ گئی۔ ''اس رجحان کے آغاز کا سراغ تو نولدا ور آلورد جیسے مستشرقین کے ہاں بھی ملتا ہے لیکن اس کو مبالغے کی حد تک پہنچانے میں نمایاں ترین نام پروفیسر مارگولیتھ کا ہے۔ اس موضوع پر ان کا مفصل مقالہ The origins of Arabic poetry اپریل ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا۔ وہ کہتا ہے کہ اِن جاہلی شعراء کا اگر کوئی مذہب قرار دیا جا سکتا ہے تو وہ مذہب محمدی ہے کیونکہ ان کی شاعری میں جا بجا قرآنی اصطلاحات اور اسلامی تصورات ملتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اکثر اقوام کے شعراء اپنے دین ومذہب کا کھل کر اظہار کرتے ہیں۔ عربوں کے قدیم کتبات میں بھی دیوی دیوتاؤں

اور اُن کی پوجا پاٹ کا ذکر ملتا ہے تاہم جاہلی شاعری میں اس نوع کا مواد کم کم ہے شاید اسی لئے شیخو نے ان سب شعراء کو عیسائی قرار دیا ہے تاہم ان شعراء کے کلام سے عیسائیت کا ثبوت بھی نہیں ملتا۔

پروفیسر مارگولیتھ نے جاہلی شاعری کے حوالے سے اس طرح کے مزید نظریات پیش کئے ہیں۔ اس کے دلائل سے اختلاف کرتے ہوئے آربری کا مفصل تبصرہ اس کی کتاب The Seven Odes میں ہے۔ مارگولیتھ کی ہم نوائی میں سب سے نمایاں شرقی آواز جدید مصر کے مشہور و معروف صاحب طرز، نابینا ادیب ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی تھی۔ اگلے ہی سال یعنی ۱۹۲۶ء میں انہوں نے ''فی الشعر الجاہلی'' قبل از اسلام کی شاعری پر کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی جس کے خلاف علمی، مذہبی اور سیاسی حلقوں کی طرف سے اعتراضات کا ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوا تاہم ایک ہی برس کے بعد ۱۹۲۷ء میں یہ ایک نئے نام ''فی الادب الجاہلی'' سے سامنے آئی۔ اس سے قابل اعتراض حصے خارج کر دیئے گئے۔ اس کتاب کو سخت تنقید کا نشانہ بننا پڑا اور اس کے جواب میں متعدد کتابیں اور تبصرے شائع ہوئے۔ یہ کتاب اس اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے کہ اس کے ردعمل کے طور پر جاہلی ادب کا ایک گہرا تجزیہ ہو گیا۔ فی الادب الجاہلی میں طٰہٰ حسین کا بیان ملاحظہ ہو۔

''جس ادب کو ہم ''جاہلی'' کا نام دیتے ہیں اس کا اکثر و بیشتر حصہ دورِ جاہلیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا بلکہ وہ ظہورِ اسلام کے بعد گھڑا گیا ہے چنانچہ وہ اسلامی ہے اور اہل جاہلیت کی زندگی کی ترجمانی سے کہیں زیادہ مسلمانوں کی زندگی اور اُن کے میلانات و خواہشات کا آئینہ دار ہے۔ آپ کو دیگر قارئین کو علی الاعلان یہ سنا دینے میں مجھے باک نہیں کہ جو کچھ آپ یہ سمجھ کر پڑھتے ہیں کہ یہ امرؤالقیس یا طرفہ یا ابن کلثوم یا عنترہ کا کلام ہے اس کا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ اہل روایت کی گھڑنت یا صحرانشینوں کی ایجاد یا نحویوں کی کارگزاری یا داستان گو حضرات کا تکلف یا مفسرین، محدثین اور متکلمین کی اختراع ہے''۔

وہ خطبات، وصیتیں، دانش پارے ان سب کو من گھڑت سمجھتے ہیں۔ (۳۰)

عربی ادب، دینیات سے بالکل الگ چیز ہے اُن کو خلط ملط کرنا مناسب نہیں۔ موجودہ نصاب میں عربی کی کتاب میں محض آیات، احادیث، دینی ادب اور خطبات کو شامل کرنے سے طلبہ عجیب صورتحال کا شکار ہو جاتے ہیں اس طرح وہ دونوں سے پوری طرح انصاف نہیں کر پاتے۔ دین کی سوجھ بوجھ کیلئے اسلامیات کے مضمون کو وسعت دینی چاہیے تاکہ طلبہ اور ادبی قارئین عربی زبان کا مطالعہ بطور ادب سمجھ کر کریں۔ جدید عربی شاعری، نثر، ڈرامہ، افسانہ، ناول کے اسلوب اور موضوعات کو سمجھیں اور اُن میں لکھنے پڑھنے کی مہارت حاصل کریں آخر کیا وجہ ہے کہ چھٹی جماعت سے آٹھویں جماعت تک مسلسل عربی پڑھنے کے باوجود طلبہ کے اندر یہ صلاحیت پیدا نہیں ہوتی کہ وہ عربی میں ایک جملہ ہی بنا لیں۔

## حواشی:

۱۔ محمد کاظم، عربی ادب کی تاریخ، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص: ۱۵، ۱۶
۲۔ ایضاً، ص: ۱۶
۳۔ احمد حسن، زبان، تاریخ ادب عربی، عبدالرحمٰن طاہر، سوتی، مترجم، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، اشاعت دوم، ۱۹۷۲ء، ص ۵۹
۴۔ محمد کاظم، عربی ادب کی تاریخ، ص: ۱۷، ۱۸، ۱۹
۵۔ خورشید رضوی ڈاکٹر، عربی ادب قبل از اسلام، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۶۲
۶۔ عربی ادب قبل از اسلام، ص: ۱۴۴
۷۔ عربی ادب کی تاریخ، ص ۲۸
۸۔ تاریخ ادب عربی، ص ۶۴
۹۔ عربی ادب، قبل از اسلام، ص ۲۰۲
۱۰۔ عربی ادب کی تاریخ، ص ۲۹
۱۱۔ عربی ادب قبل از اسلام، ص ۲۲۲، خورشید رضوی
۱۲۔ عربی ادب کی تاریخ، ص: ۳۰، محمد کاظم
۱۳۔ ص ۲۲۲، خورشید رضوی
۱۴۔ عربی ادب کی تاریخ، ص: ۳۴
۱۵۔ تاریخ ادب عربی، احمد حسن زیات، مترجم، عبدالرحمٰن طاہر سورتی، ص ۷۹
۱۶۔ عربی ادب کی تاریخ، محمد کاظم، ص: ۳۶، ۳۷
۱۷۔ عربی ادب کی تاریخ، ص: ۳۹
۱۸۔ محمد کاظم، عربی ادب میں مطالعے، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص: ۴۹ تا ۵۴، ۵۹
۱۹۔ تاریخ ادب عربی، احمد حسن زیات، ص: ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸
۲۰۔ عربی ادب کی تاریخ، ص ۴۸، ۴۹
۲۱۔ عربی ادب کی تاریخ، ص: ۵۳، ۵۵، ۵۶، ۵۷
۲۲۔ عربی ادب کی تاریخ، ص: ۶۰، ۶۱
۲۳۔ عربی ادب کی تاریخ، ص ۱۳۴
۲۴۔ عربی ادب کی تاریخ، ص ۶۴

۲۵۔ عربی ادب قبل از اسلام، ص:۶۰۷
۲۶۔ عربی ادب کی تاریخ ،ص:۶۶،۶۸
۲۷۔ ڈاکٹر خورشید رضوی، تالیف، لاہور، شہ تاج مطبوعات، ۱۹۹۵ء، ص:۱۱۱،۱۱۲،۱۱۶
۲۸۔ ڈاکٹر یونس حسنی، اختر شیرانی اور جدید اُردو ادب، کراچی، انجمن ترقی اُردو، ص:۵۰۲
۲۹۔ عربی ادب کی تاریخ ،ص۴۰۸
۳۰۔ عربی ادب ، قبل از اسلام، ص۴۴ تا ۲۶۱

## مآخذ:


۱۔ احمد حسن، زبان، تاریخ ادب عربی ،عبدالرحمٰن طاہر، سوتی، مترجم، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، اشاعت دوم، ۱۹۷۲ء۔
۲۔ خورشید رضوی ڈاکٹر، عربی ادب قبل از اسلام، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۲۰۱۰ء۔
۳۔ خورشید رضوی، ڈاکٹر، تالیف، لاہور، شہ تاج مطبوعات، ۱۹۹۵ء۔
۴۔ محمد کاظم، عربی ادب کی تاریخ، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء۔
۵۔ محمد کاظم، عربی ادب میں مطالعے ، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء۔
۶۔ یونس حسنی، ڈاکٹر، اختر شیرانی اور جدید اُردو ادب، کراچی، انجمن ترقی اُردو۔


☆☆☆☆☆